اور مقالہ کو ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے لئے تسلیم کر لیا گیا۔ فالحمد للہ علی ذالک " برہان موصوف کو اس کامیابی پر مبارک باد پیش کرتا ہے۔

رویت ہلال کا مسئلہ آج کل کے ان مسائل و معاملات میں سے ہے جو مسلمان ارباب علم و فضل کے حلقہ میں بہت دنوں سے موضوع فکر و بحث بنے ہوئے ہیں۔ اس سلسلہ میں راقم الحروف نے یہ ضروری خیال کیا کہ برہان میں دو قسم کے مقالات شائع کئے جائیں۔ ایک مقالہ ایسا ہو جس میں شرعی اور فقہی طور پر موضوع بحث کا نہایت بسط اور تفصیل سے جائزہ لیا گیا ہو۔ اور دوسری قسم کے مقالہ میں خالص فنی اور ٹکنکل بحث ہو تاکہ مسئلہ کی دونوں حیثیتیں کھل کر سامنے آجائیں اور علمائے کرام ان کی روشنی میں کسی قطعی نتیجہ تک پہنچ سکیں۔ جہاں تک پہلی قسم کے مقالہ کا تعلق ہے تو ابھی میں یہ سوچ ہی رہا تھا کہ میں خود لکھوں یا کسی سے لکھواؤں۔ اور کسی سے لکھواؤں تو کس سے؟ کہ اتنے میں اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے مولانا برہان الدین صاحب سنبھلی کو! ان کا مبسوط و مفصل اور محققانہ مقالہ موصول ہو گیا اور وہ چند قسطوں میں شائع کر دیا گیا۔[1] یوں تو علماء جو قیل و قال کے عادی ہیں کسی مسئلہ میں بھی ان کی بحثیں قیامت تک ختم نہیں ہوں گی لیکن یہ واقعہ ہے کہ موضوع بحث پر شرعی اور فقہی گفتگو کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جس پر مولانا برہان الدین صاحب سنبھلی نے سیر حاصل بحث نہ کی ہو اور تنقیح کر کے اس پر کلام نہ کیا ہو۔ اب رہا دوسرا مقالہ! تو میں نے اس کے لئے اپنے محترم دوست حاجی احسان الحق صاحب بجنوری کو اس طرف متوجہ کیا۔ جو لوگ حاجی صاحب سے واقف ہیں وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ موصوف عجیب و غریب خصوصیات کے بزرگ ہیں۔ ایک تو ان کی فنی بصیرت اور مہارت کا یہ عالم ہے کہ علی گڑھ کے بہت پرانے ایم۔ ایس۔ سی ہیں۔ ڈاکٹر سر ضیاء الدین مرحوم کے تلمیذ خاص ہیں۔ اور سالہائے دراز تک اس یونیورسٹی میں طبیعیات کے نامور اور ہر دلعزیز استاد رہے ہیں اور اسی عہدہ سے کبرسنی کے باعث ریٹائرڈ ہو کر اب خانہ نشین ہیں دوسری جانب یہ شروع سے کٹر بلکہ نہایت عابد و زاہد اور متقی مسلمان کی زندگی بسر کرتے رہے ہیں۔ علوم دینیہ کے مطالعہ کا شوق طبعی اور فطری ہے ان کے خاندان کو اور خود

---

[1] اس شمارہ میں بھی موصوف کا ایک مختصر سا مضمون "شرعی احکام کے لئے توقیت کا معیار" شامل ہے

ان کو بھی دیوبند کے علما اور مشائخ سے ربط و تعلق خاص رہا ہے۔ اس بنا پر اس پیش نظر مقالہ کے لئے حاجی صاحب سے زیادہ مناسب اور موزوں کوئی دوسرا شخص ہو نہیں سکتا تھا۔ مجھے اس سے خوشی ہوئی کہ اب سے ڈیڑھ دو برس پہلے جب میں نے حاجی صاحب سے یہ درخواست کی تو انھوں نے بڑی خوشی سے اسے منظور کرلیا اور یہ بھی کہا کہ وہ عرصہ سے اس مسئلہ پر غور و خوض کر رہے ہیں اور اس سلسلہ میں انھوں نے بہت کچھ مواد جمع کرلیا ہے۔ چنانچہ مولانا محمد برہان الدین صاحب سنبھلی کے مقالہ کے بعد حاجی صاحب کا مقالہ شائع ہوا اور علمی حلقوں میں بہت زیادہ پسند کیا گیا۔

لیکن افسوس ہے کہ اس مضمون سے بعض غلط فہمیاں بھی پیدا ہوگئیں اور میرے نزدیک اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ حاجی صاحب کی ساری عمر طبعیات اور ریاضیات کے درس و تدریس میں گذری ہے اور وہ میدان تحریر کے شہسوار کبھی نہیں رہے۔ جن لوگوں کو اس میدان کے پیچ و خم اور اس کے نشیب و فراز کا تجربہ ہوتا ہے وہ جانتے ہیں کہ اصل مغز سخن کیا ہے۔ اسے کس طرح اس انداز میں کہنا چاہیئے کہ اپنی بات پوری بھی ہوجائے اور کوئی اپنے آپ کو اس کا نشانہ بنتے ہوئے دیکھ کر مشتعل بھی نہ ہو چنانچہ حاجی صاحب مولانا محمد منظور صاحب نعمانی کا نام لئے اور ان سے اپنی ملاقات کا ذکر کیے بغیر بھی اپنی پوری بات کہہ سکتے تھے لیکن انھوں نے مولانا کے نام کی تصریح کے ساتھ ان سے اپنی ایک گفتگو کا ذکر بھی کردیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مولانا موصوف کو اپنے متعلق غلط فہمی دور کرنے کی غرض سے ایک مراسلہ لکھنا پڑا جو اپریل کے برہان میں شائع ہو چکا ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک اگر یہ صحیح ہے کہ حاجی صاحب کو مولانا کی نسبت غلط فہمی ہوئی ہے تو یہ بھی درست ہے کہ مولانا بھی حاجی صاحب کے متعلق یک گونہ غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ حاجی صاحب کا منشا ہرگز یہ نہیں ہے کہ حجاز مقدس میں حج کی تاریخوں کا تعین رویت ہلال پر مبنی نہیں ہوتا ہے! بلکہ ہوتا ہے۔ البتہ حاجی صاحب کا خیال یہ ہے کہ رویت ہلال کا انتظام خاطر خواہ طور پر مربوط اور اصول فن کے مطابق نہیں ہے سخت تعب اور مشقت اٹھانے کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ متعدد بار ایسا ہوا ہے کہ چاند علم ہیئت کی رو سے ابھی قمر جدید بنا بھی نہیں ہے یا بن گیا ہے لیکن ابھی اس پر بیس گھنٹے نہیں گذرے

ہیں جس کے بعد وہ قابل رویت ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود حجاز میں رویت کا اعلان ہوگیا ہے یہ بات بہت صاف اور سیدھی ہے اس کو ثابت کرنے کے لئے نہ مولانا نعمانی کے حوالہ کی ضرورت تھی اور نہ مولانا علی میاں یا کسی اور شخص کے تذکرہ کی یا اسی طرح اس دعوٰی کی تردید کے لئے اِدھر اُدھر کی لایعنی بات کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ معترض کو صاف طور پر دعوٰی کے اول جز کی تردید کرنی چاہئے یا دوسرے جز کی اور تردید دلائل اور حقائق کے ساتھ ہونی چاہئے یعنی یا یہ ثابت کیجئے کہ (۱) اس تاریخ پر قمر جدید بن چکا اور اس پر بیس گھنٹے گذر چکے تھے، یا یہ کہ (۲) اس تاریخ کے مطابق حج ہی نہیں ہوا، سمجھ میں نہیں آتا کہ حج جس میں لاکھوں انسان شریک ہوتے ہیں اور جس کا ذکر تمام اخبارات میں اور ریڈیو پر بھی ہو جاتا ہے، اس کے ثبوت یا تردید کے لئے اس بات کی کیا ضرورت ہے کہ فلاں نے یہ کہا تھا اور فلاں نے یہ فرمایا تھا۔ حاجی صاحب اور مولانا نعمانی دونوں نے علی میاں کا ذکر کیا ہے۔ مجھے یہ تو معلوم نہیں کہ حاجی صاحب نے یہ کیسے لکھ دیا کہ "علی میاں نے وہاں تذکرہ چھیڑا"، لیکن میں نے خود حاجی صاحب کے نام علی میاں کی طرف سے لکھے ہوئے دو خط دیکھے ہیں جن میں لکھا ہے کہ "حجاز میں جو کچھ ہوتا ہے حضرت مولانا (علی میاں) کو خود اس پر بڑی تشویش ہے وہ خود اس سلسلہ میں وہاں گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔ آپ اپنا مقالہ فوراً بھیج دیجئے اس سے گفتگو کرنے میں مدد ملے گی"۔ اس سے معلوم ہوا کہ مولانا علی میاں نے رابطہ میں یہ ذکر اٹھایا یا نہیں! بہرحال اس صورت حال پر تشویش مولانا کو بھی تھی اور وہ اس پر گفتگو کرنا چاہتے تھے۔

اب میں نفس مسئلہ پر بھی کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ مولانا محمد منظور صاحب نعمانی لکھتے ہیں:

"علمائے نجد جو سعودی حکومت میں امور مذہبی کے عموماً ذمہ دار ہیں اور ذمہ دارانہ مناصب پر فائز ہیں وہ حنبلی المذہب ہیں اور متاخرین میں خاص طور پر قاضی شوکانی کی تحقیقات پر ان کا اعتماد ہے اور جس طرح حنفیہ کا اصل مشہور

مذہب (جو فقہ حنفی کی تقریباً سب ہی کتابوں میں لکھا ہے) یہ ہے کہ رویت ہلال میں اختلافِ مطالع کا اعتبار نہیں (اور اس بنا پر دنیا کے کسی حصہ میں بھی رویت ثابت ہوجائے تو معلوم ہوجانے پر ساری دنیا میں اس کے مطابق عمل ہوگا اور ہر جگہ رویت تسلیم کی جائے گی) یہی مذہب حنابلہ کا بھی ہے۔ قاضی شوکانی نے نیل الاوطار میں اسی کو ترجیح دی ہے۔"

(برہان ص ۲۷۵)

گذارش یہ ہے کہ بے شک امام ابوحنیفہ کی رائے یہی ہے کہ اختلافِ مطالع کا اعتبار نہیں لیکن اس سے یہ مراد لینا کہ "دنیا کے کسی حصہ میں بھی رویت ثابت ہوجائے تو ساری دنیا میں اس کے مطابق عمل ہوگا اور ہر جگہ رویت تسلیم کی جائے گی۔ ایک ایسی ناقابل فہم اور لغو بات ہے جسے کم از کم موجودہ زمانہ کا کوئی بھی پڑھا لکھا آدمی تسلیم نہیں کرسکتا۔ پھر امام عالی مقام کا اس قول سے یہ مطلب کس طرح ہوسکتا ہے۔ اور ہمیں خوب اچھی طرح یاد ہے کہ حضرت الاستاذ مولانا محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ بھی امام صاحب کا یہ مقولہ نقل کرکے یہی فرماتے تھے کہ لوگوں نے امام صاحب کا مطلب غلط سمجھا ہے۔ حسنِ اتفاق سے ابھی یہ سطریں زیر تحریر تھیں کہ برادر محترم مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی اچانک علی گڈھ آپہنچے اور ان سے ذکر آیا تو انھوں نے بھی حضرت شاہ صاحب کی اس رائے کی تصدیق فرمائی۔ (مفصل بحث کے لئے ملاحظہ فرمایئے العرف الشذی علی جامع الترمذی ص ۳۰۲)

علاوہ ازیں فقہاء کے اقوال اور ان کے باہمی اختلافات تو ایک ایسا دلدل ہیں جن میں ایک مرتبہ پھنس جانے کے بعد صحیح سلامت نکل آنا امرِ دشوار ہے۔ اس بنا پر اصل میں دیکھنا یہ چاہیے کہ شریعت کا حقیقی منشا اور اس سلسلہ میں ارشادِ نبوی کیا ہے اور اس کی روح کیا ہے!! اس نقطہ نظر سے جب ہم غور کرتے ہیں تو مندرجہ ذیل چند باتیں صاف نظر آتی ہیں:

(۱) اول یہ کہ روزہ اور اس کے افطار کا دار و مدار صرف رویت ہلال پر ہوگا شمسی حساب یا کسی اور حساب پر ہرگز نہیں ہوگا۔"